بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# امارت وصدارت

تالیف ـ ممتاز احمد عبد اللطیف

ناشر ـ مرکز الاصلاح التعلیمی الخیری ـ اموا مدینة الشیخ. شیوھر. بھار ـ انڈیا

امام، امیر، خلیفہ، سلطان في الأرض اورظل اللہ وغیرہ الفاظ اسلامی سربراہ کیلئے شریعت میں وارد ہوئے ہیں، اسلام کی چودہ سالہ تاریخ میں ان الفاظ کومسلم حکمرانوں نے امام المسلمین، امیر المومنین اور خلیفة المسلمین وغیرہ کے القاب کے ذریعے اپنے لئے استعمال کیا ہے، گرچہ حالات وظروف کے اختلاف کے ساتھ ان کی کیفیات وشکلیات میں اختلاف رہا ہے.
اس امامت، امارت اور خلافت وغیرہ سے مراد امامت کبریٰ، امارت عظمیٰ اور خلافت کبریٰ ہے یعنی مسلمانوں کا ایک امام، امیر اور خلیفہ ہو جس کی امامت، امارت اور خلافت میں تمام مسلمانوں کے دین ودنیا کا کام انجام پائے، احادیث رسول میں امیر کی اطاعت، تابعداری اور فرمابرداری کی جو تاکید آئی ہے وہ اصولی طور پر اسی معنی میں ہے. جیسے:

﴿ا﴾"من أطاعني فقد أطاع الله، و من عصاني فقد عصى الله، ومن يطع الأمير فقد أطاعني، ومن يعص الأمير فقد عصاني، وإنما الإمام جنّة يقاتل من ورائه ويتقى به فإن أمر بتقوى الله وعدل فإن له بذلك أجرا وإن قال بغيره فإن عليه منه" ﴿البخاري ومسلم﴾
جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالی کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالی کی نافرمانی کی، جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی یقیناً امام ایک ڈھال کی مانند ہے جس کی سربراہی میں جہاد کا فریضہ انجام دیا جاتا ہے اور اس کے ذریعے جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کی جاتی ہے، اگر اس نے اللہ تعالی سے ڈرنے کی تلقین کی اور عدل وانصاف کیا تو اسے اس کا اجر ملیگا اور اگر اس نے کوئی غلط کام کیا تو اس کا گناہ اس کے سر ہوگا.
﴿ب﴾"إن أمر عليكم عبد مجدع يقودكم بكتاب الله فاسمعوا واطيعوا" ﴿مسلم﴾
اگر تم پر ناک کان کٹا عیب دار غلام امیر بنا دیا جائے جو کتاب اللہ کے ذریعے تمہاری قیادت کرے تو اس کی سنو اور اطاعت کرو.
﴿ج﴾"السمع والطاعة على المرء المسلم فيماأحب وكره مالم يؤمر بمعصية فإذا أمر بمعصية فلا سمع ولاطاعة" ﴿مسلم﴾
امیر کی سمع وطاعت مسلمانوں پر تمام پسندیدہ اور ناپسندیدہ امور میں اس وقت تک کرنا ضروری ہے جب تک کہ وہ کسی معصیت کا حکم نہ دے، جب وہ معصیت کا حکم دے تو اس میں اس کی سمع وطاعت نہیں ہے.
﴿د﴾"من رأى من أميره شيئا يكرهه فليصبر فإنه ليس أحد يفارق الجماعة شبرا فيموت إلا مات ميتة جاهلية" ﴿البخاري ومسلم﴾
کسی شخص کو اپنے امیر کی کوئی بات ناپسند لگے تو اس پر صبر کرے کیوں کہ کسی کے لئے بالشت بھر بھی جماعت سے الگ ہونا

جاہلیت کی موت مرنا ہے.

﴿ن﴾ إن السلطان ظل الله في الأرض يأوي إليه كل مظلوم من عباده فإذاعدل كان له الأجر وعلى الرعية الشكر، وإذاجار كان عليه الإصر وعلي الرعية الصبر "﴿ مستدرک حاکم﴾

حاکم زمین پر اللہ کا سایہ ہے، جس کے سائے میں ہر قسم کے مظلوم پناہ لیتے ہیں، اگر اس نے عدل وانصاف سے کام لیا تو اسے اس کا اجر ملیگا، اور رعیت پر اس کا شکر بجالانا ہے اور اگر اس نے ظلم کیا تو اسے اس کا گناہ ہوگا اور رعیت کو اس پر صبر کرنا ہے.

ان مذکورہ احادیث اوران کے علاوہ دیگر احادیث نیز قرآنی آیات

" واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا" وأن هذا صراطي مستقيما فاتبعوه" اور "أمرهم شورى بينهم" سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ امارت سے مراد ایسی اسلامی امارت ہے جو امت اسلام کو وحدت کی لڑی میں پروئے رکھے اور فرقت سے اس کا دامن ہمیشہ پاک رہے، یہی وجہ ہے کہ خلافت کے امر میں انتشار کے وقت دوسرے خلیفہ کو قتل کر دینے کا حکم ہے، چنانچہ اللہ کے رسول ارشاد ہے:

" وإذا بويع لخليفتين فاقتلوا الآخر منها "﴿مسلم﴾

جب دو خلیفوں کے لئے بیعت کی جائے تو دوسرے کو قتل کردو!

امارت وامامت اور خلافت کا یہی مطلب شیخ عبدالعزیز بن بازؒ نے لیا ہے، چنانچہ وہ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ہر انسان پر واجب ہے کہ وہ حق کی اتباع کرے اور حق وہی ہے جس سے اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا ہے، اور وہ کسی ایک جماعت کو لازم نہ پکڑے، خواہ اخوان المسلمین ﴿جماعت اسلامی﴾ ہو یا انصار السنہ ﴿اہل حدیث﴾ یا کوئی دوسری جماعت، اور اگر ان جماعتوں میں سے کسی ایک جماعت کی طرف منسوب ہو تو بغیر کسی غلو کے اس کی صحیح اور درست باتوں کی پیروی کرے جو مبنی برحق ہو، اس کی ہر اچھی اور بری بات کو ماننا شرعا درست نہیں ہے، بلکہ حق کی اتباع کرنا ضروری ہے خواہ حق اخوان المسلمین سے ملے یا انصار السنہ سے یا کسی دوسری جماعت سے یعنی ہر حال میں حق کی پیروی اور تعاون کرے، کسی خاص مذہب کا التزام نہ کرے اور اس کے غلط اور باطل چیز کو درست تسلیم نہ کرے ایسا کرنا منکر ہے اور اس کی پیروی کرنا جائز نہیں ہے.

"مجموع فتاوى ومقالات متنوعه: ج/۸ص:۲۳۷"

شیخ کے مذکورہ بیان سے واضح ہوتا ہے کہ دراصل اسلام میں امارت کبریٰ ہے اور اس کے فقدان کی صورت میں حق جہاں سے ملے اسے قبول کرنا چاہئے اور کسی ایک مذہب کا التزام کرنا درست نہیں ہے.

شیخ محمد ناصر الدین البانیؒ اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

"کتاب وسنت اور سلف صالحین کے حالات کو جاننے والے کسی مسلمان پر یہ امر مخفی نہیں ہے کہ اسلام میں گروہ بندی خواہ منہج کے اعتبار سے ہو یا اسلوب کے اعتبار سے اس کی قطعا گنجائش نہیں ہے:

"ولا تكونوا من المشركين من الذين فرقوا دينهم وكانوا شيعاو كل حزب بمالديهم فرحون"﴿الروم: ۳۱-۳۲﴾

اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ، ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکرے ٹکرے کر دیا اور خود بھی گروہ گروہ ہو

گئے، ہر گروہ اس چیز پر جو اس کے پاس ہے مگن ہے.

ہاں !اسلام میں صرف کتاب وسنت کی دعوت دینا ہے اور ''وماأناعليه و أصحابي'' پر قائم جماعت ہی حزب اللہ ہے''ألاإن حزب الله هم الغالبون''اور ہروہ جماعت جو اپنے اصول وفروع اور ہر چھوٹے بڑے مسائل میں کتاب وسنت اور سلف صالحین کے منہج پر قائم نہ ہو اور اس کا منہج اسلامی احکام کا پوری طرح احاطہ نہ کرتا ہو وہ جماعت حزب اللہ کہلانے کی مستحق نہیں ہے اور اسے فرقہ ناجیہ بھی نہیں کہا جا سکتا، اور اسے حدیث میں وارد صراط مستقیم پر گامزن بھی نہیں کہا جا سکتا.

اگر بالفرض مان لیا جائے کہ مختلف اسلامی ملکوں میں کتاب وسنت اور سلف صالحین کے منہج پر مختلف ناموں سے مختلف جماعتیں قائم ہیں اور ان کا منہج اور طریقہ ایک ہے لیکن وہ مختلف ملکوں میں بٹے ہوئے ہیں ،تو انہیں عقیدے، منہج اور فکر وثقافت کے اعتبار سے مختلف احزاب نہیں کہا جا سکتا بلکہ وہ درحقیقت ایک ہی جماعت ہیں، اس کے برخلاف اگر مختلف ملکوں میں مختلف جماعتیں قائم ہوں اور ان کا منہج کتاب اللہ ، سنت رسول اور سلف صالحین کے منہج پر قائم نہ ہو تو وہ ایک جماعت نہیں کہلا سکتیں، اور نہ انہیں صراط مستقیم پر گامزن ہی کہا جا سکتا ہے، بلکہ ہم سمجھتے ہیں کے وہ شیطان کے راستے ہیں جن پر شیاطین لوگوں کو اپنی طرف بلا رہے ہیں.

﴿فتاوی الشیخ الألبانی ومقارنتہا بفتاوی العلماء:ص:۱۰۶.۱۰۷.۱۱۴﴾

شیخ البانی کے مذکورہ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ خواہ امامت کبریٰ ہو یا دنیا کے مختلف ملکوں میں دین کی کوئی جماعت قائم ہو وہ شریعت کی نگاہ میں اسی وقت مقبول ہے جب کتاب اللہ،سنت رسول اور سلف صالحین کے منہج پر قائم ہو، اور اس کے اصول وفروع اور چھوٹے بڑے مسائل کتاب وسنت سے پوری طرح ہم آہنگ ہوں ورنہ وہ مردود ہے.

سماحۃ الشیخ بن بازؒ نے بھی دبے لفظوں اور تعبیر کے فرق کے ساتھ یہی بات کہی ہے لیکن ان کے نزدیک یہ بات واضح کی گئی ہے کہ اگر کسی ملک میں مختلف جماعتیں قائم ہوں تو حق کی بنیاد پر ہر ایک کی مدد کرنی چاہیئے، اور ہر ایک سے حق قبول کرنا چاہیئے .

بہر حال ! فرقت خواہ فقہی گروہ بندی یا دعوتی گروہ بندی کی شکل میں ہو وہ اسلامی روح اور مزاج کے سراسر خلاف ہے، لہذا ! مسلمانوں کو اپنی استطاعت بھر امامت کبریٰ کے قیام کی کوشش کرنی چاہیئے ،تا کہ وہ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر دین ودنیا کا کام بحسن وخوبی انجام دے سکیں ،لیکن اس حقیقت کے بروئے کار آنے کے پہلے پہلے دنیا میں خاص کر ان ممالک میں جہاں مسلمان اقلیت میں آباد ہیں، انہیں کتاب وسنت کی بنیاد پر کسی ایک جماعت کی تشکیل دینی چاہیئے ،اور اس کے جھنڈے تلے اپنے دین ودنیا کا کام انجام دینا چاہیئے، اگر جماعت کی تشکیل کی یہ شکل پیدا ہو گئی تو کیا امامت وامارت اور خلافت کے سلسلے میں اطاعت وفرمابرداری کی حدیثوں کا انطباق اس جماعت پر کیا جا سکتا ہے؟ اس سلسلے میں مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کی رائے ہے کہ امامت کبریٰ کی اطاعت وفرمابرداری والی حدیثوں کو تنظیمی امور کی امارتوں پر قیاس کرنا درست نہیں ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''امارت سیاسیہ اس ملک میں ناپید ہے، اور شاید عرصہ تک ناپید ہی رہے، الا ان یشاء اللہ، اس لئے وہ زیر بحث نہیں، دوسری امارتیں وہ ممکن ہے، مثلا امیر عائلہ یعنی خاندانی امیر یا امیر سفر، یا امیر خاص قوم، یا خاص گروہ، ان امارتوں کا وہ حکم نہیں ہے جو امیر سیاست کا ہے، آج کل جو کہیں کہیں سے امیر بننے کی خبریں آتی ہیں یا بن جاتے ہیں ان کی حدود صرف اتنی ہیں کہ جو ان کے حلقہ بیعت میں آجائے اس کو حکم یا مشورہ دیں، اس سے تجاوز

نہ کریں یعنی یہ حکم نہ لگائیں کہ جو ہم میں داخل نہیں ہے وہ موت جاہلیت مرے گا، اگر ایسا کریں تو میں ان امارتوں کو چنداں معیوب نہیں سمجھتا مگر جب وہ اپنی حد سے تجاوز کر جائیں یعنی یہ حکم لگائیں کہ جو ان کے حلقہ میں داخل نہ ہوئے ہوں ان کی خیرات وصدقات قبول نہیں، ان کا جمعہ جماعت صحیح نہیں ایسی حالت میں ان امیروں سے کہا جائے گا ''**لا تغلوا فی دینکم غیر الحق**'' میں اس امر کو جائز سمجھتا ہوں کہ ایسی امارتیں ہر شہر اور ہر بستی میں قائم ہو جائیں، جن میں باہمی نفاق وشقاق نہ ہوں، بے شک وہ اپنے حلقہ اثر سے صدقات اور زکوۃ جمع کر کے غرباء پر تقسیم کریں نہ اپنے نفس پر نہ اپنے لئے جمع کریں، بس یہ ہے ایک طریق امارت جو آج معمول ہوسکتا ہے اور بحکم ارشاد الٰہی ''لا یکلف اللہ نفسا إلا وسعھا'' جائز اور مشروع ہے ﴿فتاوی ثنائیہ: جلد دوم ص:۶۱۸﴾

اور یہی حق ہے کیونکہ خلیفۃ المسلمین اپنی رعیت کی جان و مال اور عزت وآبرو کی حفاظت کا ذمہ دار ہوتا ہے، جب کہ تنظیمی امور کے امیروں کے لئے ایسا کرنا ممکن نہیں، بلکہ یہ ایک عارضی حل ہے جس کو ملکی حالات وظروف کے پیش نظر مختلف شکلوں میں ڈھالا جاتا ہے، اور اس کے حل کے بعد خود بخود اس کا وجود ختم ہو جاتا ہے، لیکن یاد رہے کہ تنظیمی اعتبار سے جو اصول وضوابط اور لائحہ عمل کسی نظام کو چلانے کے لئے وضع کئے جائیں اور وہ کتاب وسنت سے پوری طرح ہم آہنگ ہوں تو ان کی پابندی ضروری ہے.

اس حقیقت کے سمجھ لینے کے بعد امارت اور صدارت کا مسئلہ خود بخود حل ہو جاتا ہے، برصغیر میں تنظیم کے لئے صدارتی نظام کے بجائے امارتی نظام کی بازگشت پہلے بھی سنائی دیتی تھی، اور اب بھی اس موضوع پر آوازیں اٹھ رہی ہیں اور اس کے پیچھے تاحیات امیر رہنے کا معنی پوشیدہ ہوتا ہے، جس کی دلیل خلفائے راشدین کی تاحیات امارت سے دی جاتی ہے، حالانکہ تنظیمی امارت اور خلفائے راشدین کی امارت میں آسمان وزمین کا فرق ہے، پھر تاحیات امیر کا مسئلہ پیدا کرنا قیاس مع الفارق ہے، تنظیمی امارت تو ایک وقتی ضرورت ہوتی ہے اسے وقت کے ڈھانچے میں ڈھال کر کام کرنا چاہئے خواہ اس نظام کا نام امارت رکھا جائے یا صدارت یا جمعیت یا جماعت. واللہ أعلم بالصواب

ملاحظہ

یہ سطور مین نے اپنی کتاب ''تحریک اہل حدیث...... کے لئے لکھا تھا، لیکن بعض مصالح کی بنا پر اسے علاحدہ مضمون کی شکل دیدی گئی ہے.


ممتاز احمد عبد اللطیف

اسلامک سینٹر دبی، متحدہ عرب امارات


۲۶/شوال ۱۴۲۱ھ موافق ۲۱/جنوری ۲۰۰۱ء